بہر کیف ! "آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت" ——

جو آیا وہ گیا ہے، خدا کے سوا ہر چیز کو فنا ہے، برِصغیر کے اسی بے باک صحافی، نامور شاعر اور شعلہ نوا خطیب پر بھی ۲۵ اکتوبر ۱۹۷۵ء کو موت کا ضابطہ پورا ہوا۔

اور لوگ جس میں شاعر ادیب، صحافی خطیب، اساتذہ وکیل، طلبا، علما، سیاستدان، مدیر، حکمران پیر مشائخ، دوست دشمن سبھی شامل تھے، اُس کا جنازہ اپنے کندھوں پر اٹھائے میانی صاحب کے قبرستان کی طرف رواں دواں تھے۔ گلیوں اور بازاروں میں ایک ہجوم تھا۔ انسانوں کا ایک سمندر موجیں مار رہا تھا۔ لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگے ہوئے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے:

قوائے بدن سب چور ہوئے اک دِل کے شہادت پانے سے
فوجوں میں تلاطم برپا تھا سالار کے مارے جانے سے

حرفِ آخر

مَنْ ارْتَدَّ فَاقْتُلُوْہُ

جو مُرتد ہو جائے اُسے قتل کر دو!

ارشادِ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم

مُطالبہ

مُرتد کی شرعی سزا نافذ کرو

(تحریک تحفظِ ختمِ نبوت پاکستان)

دُعاءِ صحت

حضرت امیرِ شریعت رحمۃ اللہ علیہ کے قدیم رفیق اور مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان کے سابق ناظمِ اعلیٰ جناب ملک عبدالغفور انوری ان دنوں صاحبِ فراش ہیں۔ وہ ان دنوں نشتر ہسپتال ملتان میں زیرِ علاج ہیں! تمام احباب ان کی مکمل صحت یابی کیلئے دُعا فرمائیں۔

"ادارہ"

حکیم محمود احمد ظفر۔ سیالکوٹ

۲

اسلام اور نبوّت

جہاں وہ دُنیائے محسوس اور غیر محسوس دونوں کا شاہد ہوا کرتا ہے اور پھر ان حقائق کو دوسرے انسانوں تک پہنچاتا ہے۔

صاحبِ کتاب الاشتقاق نے لکھا ہے کہ ایک شخص نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا "یا نَبِیْءَ اللہ" (یعنی اس نے نبیؐ کو ہمزہ سے بولا) آپ نے اسے فرمایا" لَسْتُ بِنَبِیْءِ اللّٰہِ ولٰکِنْ نَبِیُّ اللّٰہِ" یعنی میں ہمزہ کے ساتھ نبی نہیں ہوں بلکہ بغیر ہمزہ کے نبی ہوں۔ اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ "نبی" کا لفظ نبوۃ اور نباءۃ سے مشتق ہے کیونکہ اگر نبأ سے "نبی" کو مشتق مانا جائے تو فعیلٌ کے وزن پر "نَبِیْءٌ" ہمزہ کے ساتھ آئے گا۔

بہرحال علماء کی اکثریت نبی کو "نبأ" سے مشتق مانتی ہے جس کا معنی ہے خبر دینے والا یعنی نہایت فائدہ مند اور اہم خبریں دینے والا جس کی خبر سے یقین پیدا ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسی باتیں وہی ہوں گی جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے ہوں اور پھر ان خبروں پر اطمینان یا علم اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب کہ خبر دینے والا اُس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی دلیل بھی پیش کرے یا پھر اس کی زندگی ہی اس قدر پاکیزہ، مطہر، اعلیٰ اور مقدس ہو کہ اس کے متعلق جھوٹ کا وہم و گمان بھی نہ ہو سکے۔ اس کی بات سنتے ہی لوگوں کو یقین آ جائے

اس سے معلوم ہوا کہ صرف اور صرف نبی کا لفظ ہی لغتِ عرب کی رُو سے مندرجہ بالا حقائق پر روشنی ڈالتا ہے اور کوئی لفظ اُس کے لئے مناسب نہیں ہے۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ قدس سرہٗ نے بھی نبی اور اس کے اشتقاق پر نہایت تفصیل سے بحث فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں۔

"نبی کا لفظ "نبأ" سے مشتق ہے۔ لغتِ عرب میں "نبأ" اگرچہ خبر کو کہتے ہیں لیکن اس کا عام استعمال صرف غیب کی خبروں کے بارہ میں ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں یہ لفظ کئی جگہ پر استعمال ہوا ہے۔

وَ أُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا — اور میں تم کو بتا دیتا ہوں جو کچھ تم اپنے

تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ (آلِ عمران) — گھروں میں کھاتے ہو اور جو کچھ تم جمع کرتے ہو۔

فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ (التحریم) — پھر جب آپ نے اس کو بتلا دیا تو وہ بولیں آپ کو یہ خبر کس نے دی۔ آپ نے فرمایا مجھے علیم و خبیر خدا نے بتایا ہے

قُلْ هُوَ نَبَأٌ عَظِيْمٌ أَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ۔ (ص) — فرما دیجیئے کہ وہ ایک بڑی خبر ہے اور تم اس سے اعراض برت رہے ہو۔

عَمَّ يَتَسَاءَلُوْنَ عَنِ النَّبَإِ الْعَظِيْمِ (النباء) — کس چیز کی بابت یہ آپس میں گفت و شنید کر رہے ہیں۔ ایک بہت بڑی خبر کے متعلق

أَنْبِئُوْنِيْ بِأَسْمَاءِ هٰؤُلَاءِ (البقرۃ) — (ملائکہ سے کہا) اچھا مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ۔

يٰٓاٰدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ (البقرۃ) — اے آدم! تم ان کو ان چیزوں کے نام بتاؤ

قُلْ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ نَبَّأَنَا اللّٰهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ (التوبہ) — کہہ دیجیئے بہانہ مت بناؤ (ہم ہرگز تمہاری بات نہ مانیں گے) اللہ ہم کو تمہارے حالات بتا چکا ہے۔

(شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے قرآنِ حکیم سے استدلال میں کئی اور آیات بھی نقل کی ہیں، ہم نے صرف چند ایک پر اکتفا کیا ہے)

ان سب آیات میں لفظ "نبأ" صرف ان خبروں کے بارہ میں استعمال ہوا جو اپنے علم و مشاہدہ سے تعلق نہیں رکھتیں بلکہ ان کا تعلق "اخبارِ غیب" سے ہے۔ لہٰذا قاعدہ کی رُو سے "نبی" کو نبیءٌ یعنی ہمزہ کے ساتھ پڑھنا چاہیئے، لیکن تخفیف کے لئے ہمزہ کو حذف کر دیا گیا ہے، اس وجہ سے اب وہ "نبی" لکھا اور پڑھا جانے لگا اور مہموز سے معتل استعمال ہونے لگا اس کے مہموز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس کی جمع "انبیاء" آتی ہے۔ (النبوات ص ۲۲۲-۲۲۳)

ایک اور مقام پر شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ:

نبی، فعیل کے وزن پر صفتِ مشبّہ کا صیغہ ہے۔ لغتِ عرب میں یہ وزن فاعل اور مفعول دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، لیکن زیادہ مناسب اور قرینِ قیاس یہی ہے کہ اس کو مفعول کے معنوں میں لیا جائے۔ اس لحاظ سے نبی کے معنی ہوں گے "الّذی نَبَّأ اللّٰہ" یعنی وہ ذات جس کو حق تعالیٰ نے غیب کی خبریں دی ہوں اور اس کو نبی بنایا ہو۔ اب جس شخص کو حق تعالیٰ نے نبی بنایا ہو اور غیب کی خبریں دی ہوں اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ دوسروں کو بھی اس سے مطلع کرے ہاں اگر حق تعالیٰ کا حکم ہوگا تو وہ دوسروں کو بھی اس سے مطلع کریگا وگرنہ نہیں۔ لیکن جس بات پر کسی نبی کا نبی ہونا موقوف ——— ہے وہ صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو غیب کی خبریں دی جائیں نہ کہ وہ ان خبروں کو دوسروں تک پہنچائے۔ معلوم ہوا کہ نبی اور غیر نبی میں جس چیز سے امتیاز ہوتا ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیب کی خبریں دینا اور نہ دینا ہے۔

غیب کی خبریں انبیاء علیہم السلام کی طرح کاہن اور جوتشی بھی دیتے ہیں پھر ان کو نبی کیوں نہیں مانا جاتا؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ کاہنوں اور جوتشیوں کو خبر دینے والا شیطان ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کو خبر دینے والا رحمٰن ہوتا ہے۔ اس وجہ سے وہ اللہ کے نبی کہلانے کے مستحق نہیں ہوتے۔

(النبوات ص ۱۱۶، فتاویٰ شیخ الاسلام جلد ۱۸ ص ۶)

اس کے بعد شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ:

"اسی طرح رسول کا لفظ ہے" رسول اللہ" صرف اس کو کہا جائے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہو۔ لہٰذا جس طرح اللہ کا رسول کسی غیر کا رسول نہیں ہوسکتا اور نہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کا حکم مان سکتا ہے، اسی طرح اللہ کا نبی بھی غیر اللہ کا نبی نہیں بن سکتا اور نہ ہی وہ کسی اور کی دی ہوئی خبروں کو قبول کرسکتا ہے"

(النبوات ص ۱۶۲)

فیلسوفِ اسلام علامہ ابنِ رُشد اندلسی رحؒ نے بھی لکھا ہے کہ نبی کو اس لئے نبی کہا گیا ہے کہ اس کو غیب کی خبریں بتائی جاتی ہیں۔ (تہافۃ الفلاسفہ لابن رشد، ص: ۱۲۲)

شیخ احمد سرہندی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے نبی کی تعریف میں اور لطافت سے اجمال پیدا کردیا ہے، فرماتے ہیں۔

"نبوت توجہ الی الحق اور توجہ الی الخلق کی صفت کے کمال کا نام ہے۔ دوسرے لفظوں میں نبی وہ ذات ہے جو ہر وقت حق تعالیٰ کی طرف بھی متوجہ رہے اور خلقِ خدا پر بھی نظر رکھے۔ حق کی طرف توجہ کرنے سے خلقِ خدا کی طرف اس کی توجہ کم نہ ہو اور خلقِ خدا کا خیال حق کی لگن میں خلل انداز نہ ہو۔" (مکتوبات جلد ۳)

اِن تینوں تعریفوں کا خلاصہ دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ انسان روح اور مادّہ کی ترکیب کا نام ہے۔ اس کی روح اور مادہ کی ترکیب نے اس کی حیات کو دو حصوں میں منقسم کر دیا ہے یعنی ایک اُس کی مادّی حیات اور دوسری اُس کی روحانی حیات۔ ان دونوں زندگیوں میں سے ہر ایک زندگی کے طور و طریق الگ الگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس نے انسان کو زیورِ حیات سے مرصع کیا اُس نے اس بات کی ذمہ داری بھی لی ہوئی ہے کہ اس کی زندگی کی تمام ضروریات کا کفیل میں ہوں۔ چنانچہ فرمایا:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا۔ (ہود) اور کوئی جاندار روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو۔

انسان کی اس مادی حیات کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے خلّاقِ عالم نے طرح طرح کے انسان پیدا فرمائے جنہوں نے آکر دوسرے انسانوں کو مادّی زندگی بسر کرنے کے طریق سکھائے زندگی بسر کرنے میں جو جو ضروریات انہیں لاحق ہوئیں اُن کو پورا کیا۔ چنانچہ ان حضرات نے انسانوں کو کاشت کاری کے اصول، خورد و نوش کے طریق، ازالۂ مرض کی تدابیر، بود و باش کے سامان، سواری وغیرہ کی ضروریات غرضکہ ان کی مادّی حیات کی تکمیل میں قدم قدم پر انہیں جتنی بھی ضروریات سے دوچار ہونا پڑا، ان لوگوں نے ان کو پورا کیا۔

انسان بیمار ہوا انہوں نے دوا دی، یہ بھوکا ہوا انہوں نے کھانا کھلایا، یہ ننگا ہوا انہوں نے اس کی عریانی کے ازالہ کے لئے کپڑا بنا کر پیش کیا۔ اس کو لڑنے کی ضرورت پیش آئی انہوں نے اس کو تلوار، نیزہ اور رائفل وغیرہ آلاتِ حرب مہیا کئے تاکہ یہ انسان بطریقِ احسن اپنی مادی زندگی کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکے۔

اس مادی زندگی کے ساتھ ساتھ اس کی روحانی زندگی کی ضروریات کا جن کو ہم اصولِ تمدّن، طریقۂ معاشرت، اخلاقِ حسنہ اور تقویٰ وغیرہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں، دَور شروع ہوتا ہے۔ اور یہ حیات ایسی ہے جو صرف حضرتِ انسان کے لئے مختص ہے، مادّی زندگی میں حیوان بھی انسان کے ساتھ شریک ہے مگر اس روحانی زندگی میں اس کو دیگر حیوانات سے شانِ امتیاز حاصل ہے کیونکہ

اگر اس کی روحانی حیات نہ ہو تو اس کی مادی زندگی کی جنت جہنم بن جائے اور یہ اشرف المخلوقات محض درندوں کا غول اور چرندوں کا گلہ ہو کر رہ جائے۔

اب جس طرح ہماری مادی زندگی میں ہمیں غلّہ مہیا کرنے والا کاشت کار، ہمارے لئے کپڑا بننے والا جولاہا، زیور بنانے والا سنار، ہمارے بیٹھنے کے لئے کرسیاں اور میز بنانے والا بڑھئی، ہماری جسمانی بیماریوں کا علاج کرنے والا طبیب، اور اس مادی کائنات سے اسرار کی نقاب کشائی کر کے ان اشیاء سے باخبر کرنے والا حکیم کہلاتا ہے، اسی طرح ہماری روحانی زندگی کی جملہ ضروریات فراہم کرنے والا اور وحیٔ ربانی سے فیض یاب ہو کر روحانیت کے نئے نئے اصول وضع کرنے والا اور حیاتِ روحانی کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے والے کا نام اصطلاحِ شریعت میں نبی اور رسول ہوتا ہے۔

نبوت کی اس بحث کو حکیم الامت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے ایک اور انداز سے بیان کیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے:

"علم و عمل اور فضل و کمال کے لحاظ سے انسانوں کے مختلف درجات ہیں۔ اُن میں سب سے اعلیٰ اور بلند و بالا درجہ "مفہمین" کا ہے۔ یہ لوگ ایک خاص اصطلاح اور مخصوص طریق اصطلاح کے حامل ہوتے ہیں۔ ان کی قوتِ ملکیہ بہت بلند ہوتی ہے۔ داعیۂ حقانی اور صحیح اور سچے جذبات کے تحت ان کے لئے دنیا میں ایک خاص نظام کو قائم کرنا آسان اور سہل ہوتا ہے اور یہ لوگ وہ خاص نظام قائم کرنے کے لئے مبعوث ہوا کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ کی طرف سے ان پر علوم عالیہ اور احوالِ الٰہیہ کا ترشح ہوتا ہے۔ "مفہم" کی سیرت یہ ہوتی ہے کہ وہ معتدل مزاج ہوتا ہے۔ اس کی خلقت، پیدائش اور اخلاق و عادات بالکل صحیح اور درست ہوتی ہیں۔ اس کے اندر جزئی رایوں اور اور جزئی واقعات کی بناء پر زیادہ اضطراب نہیں پایا جاتا۔ وہ نہ اس قدر تیز ہوتا ہے کہ صرف کلیات و تخیلات ہی میں الجھ کر رہ جائے اور نہ اس قدر بلید اور غبی کہ صرف جزئیات میں الجھا رہے اور جزئیات سے کلیات تک اور صورت سے روح تک پہنچنا اس کے لئے ممکن نہ ہو۔ وہ سب سے زیادہ سنتِ راشدہ اور ہدایت کے راستہ کی پیروی کرنے والا ہوتا ہے۔ عبادات میں بھی وہ بلند مرتبے کا حامل ہوتا ہے۔

معاملات میں بھی لوگوں کے ساتھ عدل وانصاف برتتے ہیں اس کا معیار بہت بلند ہوتا ہے۔ وہ اپنے فیصلوں میں شخصی اور انفرادی بھلائی کا لحاظ نہیں کرتا بلکہ تدبیر کلی اور منفعتِ عامہ کا لحاظ رکھتا ہے۔ وہ کسی کو تکلیف اور ایذاء پہنچانا گوارا نہیں کرتا اور اگر کبھی کسی کو تکلیف اور ایذا پہنچ بھی جائے تو کسی عارضی سبب کی وجہ سے یعنی یہ کہ منفعتِ عامہ کا حصول اور بڑی تعداد کا فائدہ چھوٹے سے نقصان سے حاصل ہو تو وہ اس جزئی تکلیف اور اس نقصان کو گوارا کر لیتا ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے امور میں عالمِ غیب کی طرف مائل اور راغب رہتا ہے یہاں تک کہ اس کی بات چیت، کام کاج، چہرے اور پیشانی کے تیوروں سے بھی میلان و رغبت کے اثرات مترشح ہوتے ہیں۔ بلکہ اس کی زندگی کی ہر شان اور ادا سے اس میلان و رغبت ہی کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ اپنے کو ہمیشہ ایسا پاتا ہے کہ عالمِ غیب سے اُس کی تائید ہو رہی ہے اسے معمولی اور ادنیٰ سے ادنیٰ ریاضت سے قربِ الٰہی حاصل ہو جاتا ہے اور اس قربِ الٰہی سے اِس پر سکون و طمانیت کے وہ دروازے کھل جاتے ہیں جو دوسروں کے لیے نہیں کھلتے۔

"مفہمین" اپنی مختلف استعداد اور قابلیت کی وجہ سے مختلف مدارج کے حامل ہوا کرتے ہیں۔

اوّل، وہ مفہم جس کو اکثر و بیشتر ریاضات و عبادات کی وجہ سے حق تعالیٰ شانہٗ کی جانب سے تہذیب نفس اور تزکیۂ باطن کے علوم کی تلقین ہوا کرتی ہے۔ ایسا مفہم کامل کہلاتا ہے۔

دوم، وہ مفہم ہے جسے اکثر و بیشتر اخلاقِ فاضلہ، تدبیر منزل اور اسی قسم کے دوسرے علوم کا القاء ہوتا رہتا ہے۔ ایسا مفہم حکیم کہلاتا ہے۔

سوم وہ مفہم جسے عمومی تدبیر و سیاست اور نظام کلی کی اصلاح کے علوم کا القاء کیا جاتا ہے اور اُسے لوگوں میں عدل وانصاف کے نظام کے قیام اور ظلم وجور کے استیصال کی توفیق عطا کی جاتی ہے ایسا مفہم خلیفہ کہلاتا ہے۔

چہارم وہ مفہم جس پر ملاء اعلیٰ کا نزول ہوتا ہے اور اُسے وہاں کی حضوری حاصل ہوتی ہے وہاں کی تعلیم سے وہ سرفراز ہوتا ہے اور اس سے مختلف قسم کے تصرفات اور خرقِ عادت امور صادر ہوتے ہیں۔ وہ مؤید بروح القدس کہلاتا ہے۔

پنجم وہ مفہم جس کی زبان و قلب میں انوار و تجلیات ہوں۔ لوگ اُس کی رفاقت، صحبت اور پند و موعظت سے مستفید ہوں۔ اور وہ انوار و تجلیات صرف اس کی ذات ہی تک محدود نہ ہوں بلکہ وہ اس کے رفقائے خاص تک بھی منتقل ہوں جس سے وہ کمال وارتقاد کے مدارجِ عالیہ تک پہنچ جائیں۔ ایسے مفہم کو ہادی اور مزکی کہتے ہیں۔

ششم وہ مفہم جس کے علم کا بڑا حصہ امت اور ملت کے اصول و قواعد اور اس کی مصلحتوں کی واقف پر مبنی ہو اور جس میں ملت کے مفہوم ارکان کو دوبارہ قائم کرنے کی طاقت ہو۔ ایسا مفہم امام کہلاتا ہے۔

ہفتم؛ وہ مفہم جس کے قلب میں یہ القا کیا جائے کہ وہ لوگوں کو اُن بڑے بڑے مصائب و آلام سے خبردار کرے جو دُنیا میں ان لوگوں کے اعمال کے نتیجہ کے طور پر مقدر ہو چکے ہیں۔ مثال کے طور پر کسی قوم کے متعلق اس کو بتایا گیا ہو کہ وہ اپنی بداعمالی اور مسلسل نافرمانی کی وجہ سے ملعون و مردود ہو چکے ہیں۔ وہ اس قوم کو اس سے آگاہ کر دیتا ہے یا بعض اوقات اپنے تجردِ نفس اور صفائی باطن کی وجہ سے وہ قبر و حشر میں پیش آنے والے واقعات کو معلوم کر لیتا ہے اور وہ اس سے لوگوں کو آگاہ اور باخبر کر دیتا ہے۔ ایسے مفہم کو منذر کہتے ہیں۔

ہشتم وہ مفہم کہ جب حکمتِ الٰہی کا یہ تقاضا ہوتا ہے کہ کسی ایسے مفہم کو مبعوث فرمائے جو لوگوں کو ظلمات اور تاریکیوں سے نکال کر نور اور روشنی میں لائے اور گمراہی کے راستے سے موڑ کر ہدایت و اصلاح کا راستہ دکھائے تو حق تعالیٰ اپنے بندوں پر لازم اور فرض کر دیتا ہے کہ وہ اپنے ذہن و قلب کی ساری قوتیں اس کے حوالہ کر دیں اور ملاء اعلیٰ میں بھی تاکید ہوتی ہے کہ جو اس کی اطاعت و فرماں برداری کرے اس سے خوشنودی اور جو اس کی مخالفت کرے اس سے ناخوشی ظاہر کی جائے۔ اور وہ لوگوں